

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منتظم

احمدکے واسطی علی رسولہ الکریم، اما بعد، فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہی نہیں خاتم النبیین“
میں اور صرف ایک رسول ہی نہیں ”اخوان المرسلین“ ہیں۔ اس طرح جہاں نفس نبوت ایک
قدر مشترک ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء و رسل کے مابین، وہاں ختم نبوت آپ
کا وہ امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسرا نبی یا رسول آپ کا شریک و ہمسر نہیں۔ گویا
اس اعتبار سے آپ کی مبارک شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی شان بیکٹائی کا ایک پرتو تمام و کمال
موجود ہے۔ — مزید برآں آپ کی ذات مبارکہ پر نبوت ختم ہی نہیں ہوئی مرتبہ اتمام و
اکمال کو بھی پہنچی ہے اور آپ کی ذات والا صفات پر رسالت کا سلسلہ منقطع ہی نہیں ہوا
درجہ تکمیل کو بھی پہنچا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کا اظہار و اعلان کہ آپ
پر نور نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال بھی ہو کر رہے گا اور نعمت شریعت و ہدایت کی
تکمیل بھی، زبان وحی سے بار بار ہوتا رہا۔ جیسے سورہ صف میں فرمایا: ”وَاللّٰهُ مُتِمِّمٌ
نُّوْرِهِ وَکُوْکُبُهُ الْکَافِرُوْنَ“ یعنی اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ یہ
کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اور سورہ توبہ میں فرمایا: ”وَيَا أَيُّهَا اللّٰهُ الْاٰثَ
يُتِمِّمُ نُّوْرَهُ وَکُوْکُبُهُ الْکَافِرُوْنَ“، یعنی اللہ کو ہرگز منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے
نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں اور اس پر آخری مہر تصدیق
ثبت کر دی اُس آیت مبارکہ نے جو عین حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ یعنی ”اَلْيَوْمَ
اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَکْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی“، یعنی آج کے دن میں نے تمہارے

یہ تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا۔ فَلَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ !!
اب اس پر غور فرمائیے کہ نفسِ نبوت اور ختمِ نبوت کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور بنا بریں آپ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں :
۱ : نفسِ نبوت کی رعایت سے آپ شاید بھی بنے اور بشیر و نذیر بھی، لہذا اے
الفاظِ قرآنی : اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰہِدًا وَّ مَبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ داعی بھی تھے اور
مبلغ و مذکر بھی، — اور معلم بھی تھے اور مربی و مرگزی بھی — اور اس اعتبار سے آپ کی
عظمت کا منظر اتم وہ نفوسِ قدسیہ میں جو آپ کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے ذیلے
نثار ہوئے جنہیں ہم صحابہ کرام کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن سے بہتر یا افضل کوئی جماعت
اس زمین کی پشت پر اور اس آسمان کے نیچے کبھی دیکھنے میں نہ آئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم
وارضاهم اجمعین !

۲ : اتمام و اکمالِ نبوت و رسالت کے مقاصد کی تکمیل کے اعتبار سے آپ نسلِ آدم
کے عظیم ترین انقلابی رہنما، ہمہ گیر ترین اسلامی تحریک کے قائد، پاکیزہ ترین معاشرے اور
عمدہ ترین تہذیب و ثقافت کے مؤسس، بہترین نظامِ حکومت کے بانی اور عدلِ انصاف
کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی نظامِ معیشت کے قائم کرنے والے ہیں اور ان تمام خشتیوں سے آپ
کے کمالات کا منظر جامع وہ نظامِ حیات ہے جو آپ نے نوعِ انسانی کو صرف نظری طور پر ہی
عنایت نہیں فرمایا بلکہ اپنی بہترین عملی و انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے ایک وسیع
عریض خطہ ارضی پر بالفعل قائم فرما دیا اور اس طرح اس کا ایک کامل نمونہ عمل پیش کر دیا تاکہ
نوعِ انسانی پر ہمیشہ ہمیش کے لیے اللہ کی محبت بالغہ قائم ہو جائے اور محاسبہ آخری کے موقع
پر انسان یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں اپنے اُلجھے ہوئے عمرانی عقدوں اور پیچ در پیچ سیاسی و معاشی مسائل
کا کوئی متوازن اور معتدل حل دیا ہی نہیں گیا۔

یہ بات بادیِ قائلِ سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے
مقدمہ الذکر پہلو کے اعتبار سے بھی حکمتِ تامہ کی بھی ضرورت تھی اور بصیرتِ کاملہ کی بھی
بالخصوص نفسیاتِ انسانی کا گہرا فہم تو اس کے ضمن میں لازمی و لا بدی اہمیت کا حامل ہے لیکن
بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مؤخر الذکر پہلو تو ان سے بھی بڑھ کر اجتماعیاتِ انسانی
کے ضمن میں گہری بصیرت اور اعلیٰ ترین انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی تھا جن کے بغیر اس میدان

میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جاسکتا کی یہ کہ کامیابی کے آئینہ مرآئے سے ہم کنار ہوا
 چاہئے! اور واقعہ یہ ہے کہ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ پہلو اس درجہ
 روشن و تابناک ہے کہ اغیار و اعداء کو بھی اپنی تمام تر کورہشیں اور بد باطنی کے باوصف
 پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا رہا ہے! چنانچہ ایچ جی ویلز ہو یا سر ولیم میور اور ٹارنٹی
 ہو یا پروفیسر فنگری واٹسب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبیر و معاملہ فہمی، دور اندیشی
 و پیش بینی اور حسن تدبیر و حسن انتظام کو بھرپور خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اگرچہ یہ سعادت
 تو صرف دورِ حاضر کے ایک امریکی مصنف مسٹر ہارٹ کے حصے میں آنے والی تھی کہ وہ
 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دونوں پہلوؤں کو مساوی طور پر خراج تحسین ادا کرتا۔
 بایں طور کہ اس نے اپنی تصنیف "THE 100" یعنی "نسل انسانی کے سوعظیم ترین افراد"
 میں سرفہرست رکھا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دلیل کے ساتھ کہ :

"He was the only man in history who was supremely
 successful on both the religious and secular levels."

یعنی آپ دینی و روحانی اور دنیوی و سیاسی جملہ اعتبارات
 سے نسل انسانی کے کامیاب ترین فرد ہیں! واضح رہے کہ ان آراء کا تذکرہ صرف اس عربی
 مقولے کے پیش نظر کیا جا رہا ہے کہ "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" یعنی اصل
 فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن دیں، ورنہ نہ ان لوگوں کے یہ اقوال ہمارے لیے کسی
 بھی درجے میں سند ہیں، نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کسی درجے میں ان کی محتاج
 ہے۔ الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے مؤثر الذکر تکمیلی و اتمامی پہلو میں
 آپ کی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بتمام و کمال ہوا۔

مثلاً مشہور ہے "ہونہار بردا کے چکنے چکنے پات" چنانچہ نبی اکرم کی سیرت و شخصیت میں
 بھی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور شروع ہی سے ہو گیا تھا۔ تجارت اور کاروبار کے ضمن میں
 ان کا اظہار جس شان و شوکت سے ہوا وہ تو اظہار من الشمس ہے ہی اس لیے کہ یہ اسی کی
 بنا پر ہوا کہ ایک جانب قوم نے آپ کو "الصادق" اور "الامین" کا خطاب دیا اور دوسری
 جانب آپ ہی کی طرح قوم سے "الطاہر" کے خطاب کی صورت میں اپنی پاک دامنی اور
 حسن اخلاق کا لوہا منوا لینے والی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی طرف سے
 پیغام نکاح موصول ہوا۔ تجارت کے علاوہ دوسرے قومی معاملات میں بھی قبل از آغاز دینی

آپ کے حسن تدبیر اور حسن انتظام کی اعلیٰ صلاحیتوں کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ مثلاً یہ کہ ”حِلْفُ الْفُضُولِ“ کے ذریعے آپ نے قوم کے ایسے صالح فوجوانوں کو منظم کرنے کی سعی فرمائی جو ظالم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کی مدد کرنے کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کا حلف اٹھائیں اور کعبے کی تعمیر کے دوران حجرِ اسود کو نصب کرنے کے موقع پر جس خون خرابے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ صرف آپ کے تدبیر و حسن انتظام کی بدولت ٹل سکا۔ آغازِ وحی کے بعد سے ہجرت تک کے زمانے میں اگرچہ مجموعی طور پر آپ کی سیرتِ مطہرہ کے بعض دوسرے پہلو جو دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و تربیت سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے زیادہ نمایاں رہے، تاہم اس دوران میں بھی ایک جانب تو حسن انتظام کا ظہور دعوت و تبلیغ کے لیے اختیار کئے جانے والے طریقوں اور ذریعوں کے ضمن میں ہوتا رہا، جیسے ”وَاسْتُذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ یعنی ”خبردار کیجئے اپنے قریبی عزیزوں کو“ کے حکم ربانی پر عمل کے سلسلے میں دوبارہ دعوتِ طعام کا اہتمام اور ”فَاَصْدَحْ لِمَا لَوْ مَدَّ“ یعنی ”اب دنگے کی چوٹ کیسے جس کا حکم آپ کو دیا گیا ہے“ کے حکم خداوندی کے ضمن میں قوم کو جمع کرنے کے لیے عمدہ ترین انتظامی تدبیر یعنی کوہ صفا پر چڑھ کر ”واصباحا“ کا نعرہ لگانا! وَقِسْ عَلَى ذَالِكَ — اور دوسری طرف اسی دعوتی و تبلیغی سرگرمی کے بالکل متوازی اور پہلو بہ پہلو آپ کی تنظیمی استعداد بھی بھرپور طور پر مسلسل بروئے کار رہی جس کے نتیجے میں آپ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے جو انسانی مواد یعنی ”Human Material“ جمع کیا اُس نے بدھمت کے بھکشوؤں کے مانند فقیروں اور درویشوں کے ایک انبوہ کے بجائے ”اعلاء کلمۃ اللہ“ اور ”اظہارِ دینِ حق“ کے لیے جان نثا دینے والوں کی ایک ایسی منظم جماعت کی صورت اختیار کی جس نے مدنی درمیں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَاَنْهُمْ بَنِيَاءٌ مَّرْصُوعُوْنَ“ یعنی ”اللہ تو محبت کرتا ہے ان سے جو اس کی راہ میں جنگ کریں ایسی صفیں باندھ کر گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں!“ کی عملی تفسیر بن کر دکھا دیا۔ یہ تنظیم ظاہر ہے کہ کسی ایسے ناظم یا منتظم کے بغیر ممکن نہیں ہے جس میں تنظیمی و انتظامی صلاحیتیں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں۔ اور یہ ناظم اور منتظم ظاہر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے!

حیاتِ طیبہ کے کئی دور کے وسط میں تعذیب و تشدد یعنی Persecution

کے شدت اختیار کرنے پر اہل ایمان کو ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت بھی آپ کے حسن انتظام کا شاہکار ہے۔ اور پھر ہجرتِ مدینہ منورہ کے موقع پر بھی اس عظیم نقل مکانی کو اس طور سے منظم کرنا کہ جماعت المسلمین کے اکثر افراد کو اپنے سامنے مدینہ روانہ فرمانے کے بعد آپ نے آخر میں رختِ سفر باندھا جس کے نتیجے میں سفرِ ہجرت نے ایک منظم نقل و حرکت کی صورت اختیار کر لی نہ کسی بھگدڑ یا فرار کی۔ یہ پوری صورتِ حال بھی بلاشبہ ایک عظیم تنظیمی و انتظامی استعداد کی مظہرِ اتم ہے!

دہا مدنی دور تو اس کے بارے میں تو کچھ عرض کرنا بلاشبہ سورج کو چوہا رخ دکھانے

کے مترادف ہے اس لیے کہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان دس سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبیر و معاملہ فہمی، دُور اندیشی و پیش بینی، ترتیب و تنظیم اور انتظام و انصرام کے ایک دو نہیں سیکڑوں اور ہزاروں مظاہر سامنے آتے ہیں جن پر مؤرخین اور محققین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور بڑے سے بڑے مدبر و سیاستدان دنگ رہ جاتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ ناظم اور منتظم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ ایک فردِ واحد میں اور اتنے محاسن و کمالات کا اجتماع، ہر جہت اور ہر پہلو سے حسن تدبیر و تدبیر اور حسن تنظیم و انتظام کا مظہرِ اتم، پھر لطف یہ کہ حیاتِ انسانی کے کسی ایک ایسے گوشے کا تعین ممکن ہی نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن انتظام کا ظہور دوسرے گوشوں سے زیادہ ہوا ہے۔ گویا بات صد فی صد وہی ہے کہ یہ

”ز فریق تا بہ قدم ہر کب کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست“

مسلمانوں کا جو اجتماعی نظام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا، اس میں نظم و تنظیم کو جو اہمیت آپ نے دی اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپ نے عبادات کے نظام کو بھی ایک اجتماعی نظم کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے بارے میں شدید تاکید فرمادی کہ اسے باجماعت ادا کیا جائے، خواہ سفر ہو خواہ حضر اسے کسی صورت ترک نہ کیا جائے۔ چنانچہ امام ابو داؤد نے ایک روایت تو حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ نقل فرمائی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ“

فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ“ یعنی جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک کو لازماً امیر بنا لیا جائے اور دوسری روایت حضرت ابو الدرداءؓ سے نقل فرمائی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ أَوْ بَدْوٍ لَا تَقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا وَقَدْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَكُلُ الذَّنْبُ الْقَاصِمَةَ“ یعنی ”اگر کسی بستی یا جگہ میں تین آدمی ہوں اور پھر وہ نماز باجماعت کا نظام قائم نہ کریں تو ان پر شیطان لازماً مستط ہو کر رہے گا۔ سنو! جماعت سے وابستہ رہو اس لیے کہ بھیڑ یا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی بھیڑ کو ضرور ہڑپ کر جاتا ہے!“ پھر اس نماز باجماعت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی ترتیب و تنظیم اسے برداشت نہ کر سکتا تھا کہ صف بٹھ رہی ہو، اس لیے کہ صفوں کی کچی بھی جذب اندرون کے فقدان کی غمازی کرتی ہے، لہذا تبکیر تحریمہ سے قبل آیت کی نوائے شیریں بلاناعہ بلند ہوتی تھی کہ ”سَوُّوْا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ!“ اپنی صفوں کو سیدھا کر دو اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا بھی اقامتِ صلوٰۃ کے آداب میں سے ہے!!۔ مسلمانوں کی حیاتِ ملی کے اس اساسی اور بنیادی شعبے یعنی عبادت میں جس میں بالعموم اجتماعیت پر انفرادیت مقدم رہتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظم و تنظیم کو اس درجہ اہمیت دی ہے تو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حیاتِ اجتماعی کے دوسرے شعبوں میں انتظام و انصرام کا عالم کیا ہوگا۔!

”قیاس کن زگستان من بہار مرا!“

مدینہ منورہ کی چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست کا چارچ سنبھالنے کے فوراً بعد معاشرے کی تنظیم نو اور دفاعی انتظامات کا جو اہتمام آپ نے فرمایا وہ ملی و ملکی سطح پر حکومت و ریاست کے معاملات کے ضمن میں آپ کے حسن انتظام کی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ چنانچہ ایک جانب آپ نے ہود سے معاہدے کر کے مدینے کے دفاع کا انتظام فرمایا اور دوسری جانب مہاجرین اور انصار میں مواخات یعنی بھائی چارے کے ذریعے معاشرے کی تنظیم نو کا اہتمام کیا اور یہ بات بادی تا تل سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان دونوں معاملات میں ادنیٰ سی چوک یا ذرا سی تاخیر بھی آئندہ حالات و واقعات کے رخ کو بالکل بدل کر رکھ سکتی تھی! اور کسی بھی مدبر یا منتظم کے وقت کے تقاضوں کو بروقت سمجھ کر ان کے لیے

مناسب انتظام کر لینے ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے !

مدنی دور کے ابتدائی آٹھ سالوں کے اکثر و بیشتر حصے کے دوران مسلح تصادم کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کے ضمن میں بھی جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی کے شاہکار مسلسل سامنے آتے ہیں اور آپ کی حکمتِ حربی، مہارتِ جنگ اور سپہ سالارانہ صلاحیتوں کا اظہار ایسے پرشکوہ انداز میں ہوتا ہے کہ دوست دشمن سب مر جا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں وہاں فوجوں کی ترتیب و تنظیم، رسد کا اہتمام و انصرام، چھاپہ مار دستوں کی بر موقع ترسیل اور دشمن کی ہر ممکن چال کو ناکام بنانے کے لیے پیش بندی کے ضمن میں آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بھی بتمام و کمال ہوتا رہا۔

تا آنکہ سیدہ میں فتح مکہ اور معرکہ حنین کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب پر فیصلہ کن غلبہ عطا فرمادیا اور اطراف و اکنافِ عرب سے تمام قبائل کے وفد نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی گویا ”وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا“ کا سماں بندھ گیا تب آپ کی انتظامی صلاحیتیں پورے طور پر بڑے کارآمدیں اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم ہوا جس کی داغ بیل تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دو سالوں کے دوران ڈال دی تھی لیکن جس پر نظامِ اسلامی کا قصرِ عظیم اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دورانِ خلافتِ راشدہ تعمیر ہوا۔

اس انتظام و انصرامِ مملکتِ اسلامی کے ضمن میں ولایت و عمال کا تقرر بھی شامل تھا، ائمہ و مؤذنین کی تقرری بھی شامل تھی، محصلینِ زکوٰۃ و جزیرہ کی نامزدگی بھی تھی، جنگوں کا انسداد بھی تھا، غیر قوموں سے گفت و شنید و صلح و مصالحت کے معاملات بھی تھے، انسدادِ جرائم اور اقامتِ حدود و اجرائے تعزیرات کا نظام بھی تھا۔ حکام و عمال اور محصلینِ زکوٰۃ و فدہ کی خبر گیری اور احتساب کا سلسلہ بھی تھا اور ان سب کے ساتھ ساتھ تھا قیامِ حکومتِ اسلامی کا اصل اور اولین مقصد یعنی تبلیغ و دعوتِ دین، تربیت و اصلاحِ عوام اور تعلیم و تلقینِ شریعت !! اور یہ سب کچھ تو تھا اندرونِ ملک عرب اس پر مستزاد فیصّل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عمومی ”إِلَى كَاثَرَةِ النَّاسِ“ بشیراً و منذرباً“ کی ذمہ داریوں کے ذیل میں آپ کی مصروفیات یعنی تحریرِ دعوت

نامہ لائے مبارک اور ترسیل و فود، اور چونکہ ان کے ضمن میں آغاز مہوگیا سلطنتِ روما کے ساتھ عسکری تصادم کا، لہذا ترتیب و تنظیم جوش، جس کے ضمن میں اولاً واقع ہوئی ثانیاً پیش آیا غزوہٴ مدینہ، سفر تبوک اور ثالثاً تیار ہوا جیشِ اُسامہ، جو روانگی کے لیے تیار ہی تھا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے کوچ کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمائی۔

فصلیٰ اللہ علیہ وسلم لتسليماً كثيراً وفداً آباء و ابناءنا
عقلى ونگ ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دو سال کتنی متنوع اور گونا گوں مصروفیتوں میں بسر کئے۔ اور پھر یہ کہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا کہ فلاں معاملے میں انتظامی اعتبار سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غلطی کا صدور ہو گیا تھا۔ ”فَارْجِعِ الْبَصَرَ كُلَّ تَرَى مِنْ فُطُورِهِ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئاً وَهُوَ حَسِيرٌ“ ذرا نظر دوڑاؤ تو۔ کوئی خامی نظر آتی ہے؟ پھر بار بار اچھی طرح دیکھو، تمہاری نگاہ تھک مار کر واپس آجائے گی اور کسی پہلو سے کسی غلطی کی نشاندہی تم نہ کر سکو گے۔

وَ اخذ دُعَوَانَا ابْنُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بقیہ: لغات و اعدابِ قرآن

● مندرجہ بالا لغوی تشریح کے پیشِ نظر ”الخناسرون“ کا ترجمہ ”خسارہ“ یا ”والے“ بنتا ہے۔ اسی کو بعض مترجمین نے ”ٹوٹا پانے والے“ (ٹوٹا بمعنی گھٹا یا نقصان پرانی اردو میں مستعمل تھا)، بعض نے ”ٹوٹے والے“ کیا ہے، جب کہ بعض نے ”خسارے میں پڑنے والے“ اور بعض نے ”نقصان اٹھانے والے“ سے ترجمہ کیا ہے جو زیادہ قابلِ فہم ہے۔ بعض نے ”نقصان میں ہیں“ کو اختیار کیا ہے جو لفظ سے ذرا ہٹ کر ہے۔ اور بعض نے ”نقصان اٹھائیں گے“، ”ٹوٹا اٹھا دیں گے“ یا ”..... کو آیا نقصان“ کی صورت میں یعنی جملہ فعلیہ کی طرح ترجمہ کر دیا ہے۔ اسے صرف مفہوم و محاورہ کے اعتبار سے ہی درست ہی کہہ سکتے ہیں ورنہ اصل جملہ تو اسمیہ ہے۔ (جاری ہے)